غیر اسلامی اقدامات اور قوانین کی روک تھام آئین کے تحت کیسے ممکن ہے؟

از ایڈووکیٹ نسیم بانو
ریسرچ لائر، ویمن اسلامک لائرز فورم۔

آپﷺ نےمدینہ منورہ تشریف لاکر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اس کے سب سے پہلے حاکم/ منتظم بحکم اللہ تعالی قرار دیئے گئے۔
اسلامی ریاست کی حاکمیت کا عہدہ عظیم ذمہ داریوں کا متقاضی تھا۔ ایک اہم ذمہ داری معاشرہ میں عدل وانصاف کی ترویج تھی، ریاست کے تمام طبقات کے ساتھ یکساں قانونی برتاؤ، فیصلوں اور اُن کے نفاذمیں اعلیٰ وادنیٰ کی تقسیم کا خاتمہ، اور طاقتور کو قانونی یا حیلے بہانے والا ریلیف دینے کی مکمل حوصلہ شکنی اِس مثالی حاکمیت کا بنیادی عنصر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا اسلامی پاکیزہ باحیا معاشرہ بنانا تھا جہاں اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے بھیجے گئے احکامات کو تمام ایمان لانے والوں کے لئے بذات خود عمل کرکے دکھایا اور بطور پیغامبر اس عمل کو اپنے ساتھیوں کو اپنانے کا بھی حکم دیا۔
ایک عام انسان و قاضی سے عموماً عدل کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالنے اور ظلم کو اپنے گلے کا طوق بنانے کے جو واقعات سامنے آتے ہیں، اُس کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب کسی طاقتور ادارہ، فرد، خاندان کا دباؤ ہے۔ یہ دباؤ حاکم پر بعض اوقات دھونس دھمکی کے ذریعہ پڑتا ہے، بعض اوقات رشوت کے ذریعہ اور کبھی سفارش کے ذریعہ عدل کا گلا گھونٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔
ایک طرف قانونی فیصلوں کا لازمی عنصر عدل تھا تو دوسری جانب ایسے تمام تر اقدامات فی الفور کئے گئے کہ جو مکمل اسلامی طرز زندگی اپنانے کے لئے ناگزیر تھے چاہیں شراب کا حتمی حکم آنے کے بعد اس پر پابندی کا ہو یا پردہ کا حکم آنے کا بعد اضافی کپڑے لے کر باہر نکلنے کا گویا ہر عمل میں نہ صرف فوری عملدرآمد کیا گیا بلکہ اگر کسی حکم کو اپنانے میں کوئی ہچکچاہٹ یا سستی نظر آئی تو ریاست حرکت میں آتی رہی اور بزور قانونی قوت نفاذ عمل میں لایا گیا۔
سیرت النبی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ۔ آپ ﷺ نے بحیثیت رہبر و رہنما لوگوں کے درمیان جو فیصلے فرمائے ہیں، وہ تمام تر اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے ناگزیر ہیں ۔ کسی ایک کو اپنا کر اور کسی کو نظرانداز کرکے سیرت النبی ﷺ کو اپنانے کا دعوی نہیں کیا جاسکتا جب تک پورا کا پورا دین نہ لیا جائے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد، ہر طبقہ، ہر معاشرہ، ہر جنس اور ہر مخلوق کے ساتھ نہ صرف یہ کہ قرآن و سنت کی تعلیم دی بلکہ خود کی ذات کو سب سے پہلے ہر عمل کو قرآن کے مطابق پیش فرماکر آنے والی اسلامی ریاستوں کو مضبوط کرنے کی سب سے پہلی اور اہم بنیاد فراہم کر دی۔ یہ بنیاد ریاستوں کے استحکام کے لیے ناگزیر ہے،
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر مسلم ریاست کو قانون سازی کے لئے بنیادی رہنما اصول فراہم کرتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و تعلیم براہ راست اللہ رب العزت نے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی کے نزول سے کی ۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عمل چاہیں وہ قولی ہو یا خاموشی کی صورت میں ہر ایک ادا میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔
اس وقت دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان سے ایمان لانے کے بعد یہی تقاضہ ہے کہ وہ ان تعلیمات پہ عمل پیرا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تک پہنچی ہو چاہیں وہ قرآن کے احکامات ہوں یا سنت سے ثابت ہوں دونوں پہ ایمان اور عمل لازم و ملزوم مطلوب ہے۔ تاہم اگر کوئی مسلمان ایسی جگہ رہائش پذیر ہو جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو اجتماعی معاملات ہوں، یا کچھ

ایسے معاملات جن کا براہ راست تعلق ایمان سے متصادم نہ ہوں، تو اپنی ذاتی حیثیت میں اسلام کی اصل روح جیسا کہ نماز، روزہ، ذکواہ اور حج کی ادائیگی کرتے ہوئے دین پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزارے البتہ ایسا معاشرہ جہاں حکومتی نمائندے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں تو دوسری طرف سرکاری طور پہ اسلام کو مذہب مانا گیا ہو تو ایسی ریاست میں رہنا والا مسلمان اول الذکر بیان کئے گئے مسلمان سے مختلف حقوق و فرائض کا حامل ہوگا ۔

مملکت پاکستان کے باسی تو اس وجہ سے اور بھی مختلف اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں کہ انکے آبائو اجداد نے یہ ملک حاصل ہی اسلام کے نام پہ کیا ، حالانکہ پاکستان بننے سے قبل بھی اسلام کے بنیادی ارکان کی ادائیگی میں کوئی پابندی نہیں تھی، مسجد میں پانچ وقت نماز کی ادائیگی اس وقت بھی ادا کی جا رہی تھی۔ ضرورت اس خالص اسلامی معاشرے کی تھی جو ریاست مدینہ جیسی ہو جس کا عملی نمونہ خود رہبر و رہنما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مرتب کر کے دکھائی۔ جہاں انسان دوسرے انسان کا غلام نہیں بلکہ رب کا غلام بنے گویا انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانی مقصود تھی اور ایک معبود لا شریک اللہ رب العزت کے آگے جوابدہ بنانا مقصد تھا ۔ جس کے لئے قرآن و سنت کے تحت مسلمانوں سے جو تقاضے کئے گئے ہیں اس پہ من و عن عمل کرنا مقصود تھا ،لہذا پاکستان کا نعرہ ہی بڑا متاثر کن رکھا گیا کہ"پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" اس نعرہ کے اندر ایسا مقصد حیات عیاں تھا جس نے پاکستان بنانے کا مقصد واضح کردیا ، بعد ازاں ایک دن ایسا آ بھی گیا کہ اسلامی ریاست مل بھی گئی، اب اپنے مقاصد کے حصول کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا، تو 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے قرار داد مقاصد پیش کردی، اس طرح سرکاری طور پہ حکومتی موقف سامنے آگیا، کہ اسلامی ریاست کے لئے حکومت کے کیا عزائم ہیں ۔ قرار داد مقاصد منظور ہوئی، جس کے تحت حاکمیت اللہ رب العزت کی تسلیم کی گئی، بعد ازاں پاکستان کو ایسے سنگین سیاسی و جنگی مسائل سے نبردآزما ہونا پڑا کہ ہم اب تک ان مسائل سے چھٹکارا نہ پا سکے ۔ اگر چہ آئین سازی کا کام دوسری جانب ہوتا رہا ۔ دو آئین کے یکے بعد دیگرے معطلی کے بعد، بالآخر 1973 کا آئین جسے متفقہ اور اسلامی آئین کہا جاتا ہے۔ نافذ ہوا ، اسکے باوجود اس مملکت کو جس مقصد کے لئے معرض وجود میں لایا گیا وہ مقصدیت اپنی اصل روح کے ساتھ نظر نہیں آتی اس کی وجوہات میں سر فہرست وہ نکات ہیں جو آئین پاکستان 1973 میں موجود ہیں، جن کو خاص اسلامی دفعات مانا گیا ہے تاہم ان نکات پہ روشنی ڈالیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ، ایسے تمام تر اقدامات جو اسلامی مملکت کے لئے ناگزیر ہیں اور انکو آئین میں شامل ہونے سے تحفظ بھی حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود عملی طور پہ نافذ نہیں ۔ اسکی بڑی وجہ 1973 کے آئین کا باب 2 جو کہ حکمت عملی کے اصول سے متعلق ہے اس کے آرٹیکل 31 کے تحت اسلامی طرز زندگی اپنانے کی بات کی گئی ہے ۔ دراصل آرٹیکل 30 کا ذیلی آرٹیکل (2) کے تحت حکمت عملی کے اصول کو آئندہ کے وقت پر اقدامات اٹھانے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر کوئی قانونی گرفت اس نوعیت کی نہیں ہے جس طرح دیگر باب کے آرٹیکل کی ہے ۔ اس طرح طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ اصول نہ صرف اپنائے گئے بلکہ مناسب اقدامات بھی سامنے نہ آسکے ۔ اگرچہ آرٹیکل 31 کے الفاظ پر نظر ڈالیں تو ہر اسلام پسند شخص کو بہت متاثر کرنے والے ہیں ، تاہم اسکے لئے کوششیں متاثر کن نہیں،

آئین کا آرٹیکل 31، اسلامی طرز زندگی:-

1 ۔ پاکستان کے مسلمانوں کو، انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انھیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔

2- پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت مندرجہ ذیل کے لیے کوشش کرے گی ۔

الف۔ قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا ، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اور اس کے لئے سہولت بہم پہنچانا اور قرآن پاک کی صحیح اور من و عن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

ب ۔ اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا اور

ج۔ زکوۃ(عشر) اوقات اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کر نا ۔

درجہ بالا تمام تر نکات کو اول تو حکمت عملی کے اصول کے بجائے آئین کے بنیادی حقوق کے باب میں شامل کیا جانا چاہیے تھا کیونکہ مسلمانوں کے لئے یہ تمام تر نکات بنیادی حق کی حیثیت سے زندگی کا حصہ ہیں، دوسرا ایسا اگر کیا جاتا تو کوئی بھی پاکستانی شہری ان کی عدم دستیابی پر عدالت سے رجوع کرکے حکومت کو پابند بزریعہ عدالت کروا سکتا تھا ، 1973 ء کے آئین کو بنے کافی وقت گزر چکا ہے لہذا اب انکو آئین کا لازمی حصہ بن جانا چاہیے۔ کیونکہ مسلمانوں کی ابتر حالت اسلام کے بنیادی تعلیم سے دوری ہے ایسے میں حکومت کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو آئین کے آرٹیکل 31 کے تحت اسلام کے قریب لائے۔

آئین پاکستان کا وہ اعلیٰ قانون ہے جو ریاست پاکستان کے اندر تمام اہم چیزوں اور فیصلوں کا تعین کرتا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے قوانین میں ضابطہ فوجداری اور ضابطہ دیوانی آج بھی انگریزی دور کے بنائے ہوئے ہیں۔ البتہ فی زمانہ ہر دور کی ضرورت کے تحت کچھ خاص قوانین بھی متعارف کرائے جاتے ہیں۔ جو مسائل کے حل کے لئے اس وقت کی خاص ضرورت ہوں تاہم ۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 227 میں واضح طور پہ درج ہے کہ ملک پاکستان میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے لئے پاکستان میں اگر کوئی ایسا قانون متعارف کیا جائے جو اسلام مخالف ہو تو اس کو اسلام کے مطابق کر نے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی ہے۔

ان تمام چیزوں کو آئین کا حصہ بنانے کے بعد بھی ہمارا معاشرتی نظام عین اسلامی نہ ہوسکا، اس کے لیے ہمیں اپنے قوانین کو موثر بنانے کی ضرورت ہے اور اسلامی شعائر کو اپنانا ایک مسلمان کا انفرادی معاملہ نہیں بلکہ ایمان لے آنے کے بعد مخالفت کی صورت میں ریاست کی دخل اندازی اس وقت ضرور ناگزیر ہوجاتی ہے، ریاست اس سے قطعی طور پہ بری الذمہ نہیں۔

نوجوان نسل کو پاکستان اور اسلام دشمنوں کے ناپاک عزائم اور جسارتوں سے آگاہ کرنا ہوگا اور ان کے سدباب کے لیے عملی اقدام کرنے ہوں گے۔

ان عملی اقدامات میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و کو من و عن اپنانے کی ضرورت ہے۔ بلکل اسی طرح جس طرح ریاست مدینہ میں جب کوئی قطعی حکم آجاتا تو سمعنا واطعنا کے تحت عمل کیا جاتا تھا جس کی عظیم مثال شراب کی حرمت سے متعلق ہے کہ جب حتمی حکم آگیا کہ شراب مسلمانوں پہ حرام کردی گئی ، جبکہ کئی صحابہ کرام شراب کی تجارت سے منسلک تھے، صحابہ کرام نے نبی محترم کی بارگاہ میں پیش ہوکر عرض کی کہ اب چونکہ ہم پر شراب حرام ہے، تو ہم یہ شراب کیوں نا غیر مسلموں کو دے دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے لئے نقصان دہ ہے وہ دوسرے کے لئے بھی اسی طرح نقصان دہ ہے تو تاریخ گواہ ہے شراب مدینے کی گلیوں میں بہا دی گئی نہ خود پی اور نہ کسی اور کو پینے دی گئی ۔ لیکن ہمارے قوانین میں سیرت کے اس پہلو کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ مسلمان کے لئے حرام البتہ غیر مسلم لائسنس پہ لائسنس حاصل کررہے ہیں۔ جگہ جگہ انکے لئے شراب خانے موجود ہیں یہ ایک ایسے ملک میں ہورہا جو اسلامی ہے ، ظاہر ہے اسکے نتائج بھی بھیانک سامنے آرہے ہیں۔ کتنے ہی مسلم نوجوان لڑکے آج شراب کی لت سے متاثر ہیں یہ اب ڈھکا چھپا کسی سے بھی نہیں ہے، شراب جس کو پینے سے ایک انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور جرم کا مرتکب ہوجاتا ہے اس لئے شراب کے لئے غیر مسلموں کو اجازت دے کر ہم اپنے معاشرے کو کیسے شرابی افراد کے

حوالے کرسکتے ہیں ، کیا ایک غیر مسلم شراب پی کر اپنے ارد گرد کے لوگوں کو متاثر نہیں کرسکتا۔

دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف آرٹیکل 227 کے تحت واضح ہے کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔ قرآن کی سورہ النساء میں اللہ رب العزت نے سود کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دیا ہے ۔ اسکے باوجود سودی نظام ملک میں اب تک نہ صرف رواں دواں ہے بلکہ کچھ اسلام پسند اپنا فرض جانتے ہوئے سود کے خلاف معاملہ عدالت تک لے گئے۔ ان کے حق میں فیصلہ بھی آیا، لیکن ادارے فیصلے کے خلاف اپیل میں گئے۔ اور اس طرح تاریخ پہ تاریخ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نظام کو اب تک زندہ رکھے ہوئے ہے ۔ حالانکہ آئینی تحفظ 227 اس معاملے میں محض کتابی سیاہی خرچ کرنے کے کام آیا، سود کے حق میں یہ حکومتی رویہ ہر اسلام پسند مسلمان کا منہ چڑاتا ہے ۔

اسلامی طرز زندگی کا ایک خوبصورت اور منفرد جز حیا ہے ۔ جسکی پاسداری اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے ۔ لیکن ہمارے معاشرے میں مخلوط محافل ہوں یا لباس کا چنائو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو جب چاہے اور جیسی چاہے محفل منعقد کرے یا جیسا چاہے لباس زیب تن کر کے عوامی مقامات پہ آجائے اسکو روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہے ۔ اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے جس کے لئے خاص قانون بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ آئین کا آرٹیکل 31 اسلامی طرز زندگی کی ڈیمانڈ کرتا ہے اور اسکے لئے حکومت کو اقدامات کرنے ہیں۔ لہٰذا مرد و زن سب کے لئے اپنی چار دیواری سے باہر نکلتے ہوئے لباس کی حدود قانونی طور پر واضح ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں ہمارے شادی بیاہ کے فنکشن کبھی بھی مخلوط نہیں رکھے جاتے تھے ، لیکن ایک خاص عمل بار بار میڈیا پہ دکھا دکھا کر عام عوام تک اس کلچرل کا عادی بنادیا گیا کہ وہ بھی اپنی شادی بیاہ کی تقریبات میں دیگر بلائی گئی مہمان خواتین کے لئے پردہ کا کوئی انتظام نہ کریں اب جسے خود پردہ کرنا ہو تو وہ اپنا ذاتی پردہ خود کرے ، دوسری طرف کچھ اسلام پسند گھرانے ہیں جو اب بھی اپنی مذہبی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے شادی بیاہ کرتے ہیں ۔ اس طرح گویا یہ تمام امور عوام کے ذاتی نوعیت کے کام بن کے رہ گئے ہیں، جس کا جی کرے وہ مغرب سے مرعوب ہوکر مخلوط محافل سجائے جو زیادہ دین دار ہو وہ پردہ قائم کروائے ، ریاست کو کوئی سروکار نہیں یہ عوام کے اپنے کرنے کے کام رہ گئے ، حالانکہ یہ کام بھی اسلامی طرز زندگی اپنانے کے لئے عوام پہ چیک رکھتے ہوئے حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ وہ حیا کے کلچرکو عام کرنے کی طرف عوام الناس کو قریب لائے ۔ جس طرح کروناوباء کے دوران شادی بیاہ کی تقریبات کو چیک کیا جا سکتا ہے کہ قانون پہ عملدرآمد ہو رہا ہے کہ نہیں تو اسلامی قانون پہ کیونکر عمل کرانے میں تاخیر ہے۔

یہ دور میڈیا کا دور ہے سادہ عوام الیکٹرانک میڈیا کی اسکرین پہ آنے والے افراد کے اندازو بیان سے شدید متاثر ہوتے ہیں ۔ اور میڈیا پہ آنے والے یہ افراد بھی اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں ان کی کوئی ادا ہو یا لباس عام لوگوں کے لئے کشش کا باعث بنتا ہے ۔ اب جب ایک قانون بنایا جائے جو عام لوگوں کے ہی لئے نہ ہو بلکہ ان میڈیا پرسن پہ بھی لاگو ہو تو اسکا اثر بھی عام عوام تک براہ راست پہنچے گا ۔ اب ہوتا یہ ہے کہ عام افراد کا رہن سہن خاص کر پہناوا، اس پہناوے سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو میڈیا پر پیش کیا جارہا ہوتا ہے ۔ لباس مغرب کا پہن کر کہانی مشرق کی بتائی جا رہی ہو یا محض خبر پڑھ کر بتانے والی خاتون ہزاروں کا میک اپ اور آدھی یا بغیر آستین و ڈوپٹہ اسکرین پر موجود ہو تو اسلامی طرز زندگی کا کلچر کیسے ترقی پاسکے گا۔ اگرچہ حکومت نے میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی پیمرا بنائی ہوئی ہے، جسکے مقاصد بھی بڑے اعلی ہیں تاہم یہ ادارہ عملی طور پہ بے حیائی کو لگام دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

سیرت کی چند جھلکیاں اور پاکستان آئین میں ایسے قوانین جو غیر اسلامی اقدامات کی روک تھام کے لئے خاص کر مرتب کئے گئے ہیں ۔ اب تک عملی طور پہ حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے بعد ایک چیز بالکل واضح ہے کہ اگرچہ آئین بنانے والوں نے نیک نیتی سے ہر ضروری عنصر کو آئین کا حصہ بنایا جو اسلامی معاشرہ کے لئے ناگزیر ہو، تاہم وہ تمام تر اقدامات جو فوری کئے جانے کے متقاضی تھے اور ہیں، ان کو principle of policy کا حصہ بنایا گیا جس کا نتیجہ آج ہم سب دیکھ رہے کہ یہ اصول محض کتابی زینت تو رہے لیکن حکومت کی ترجیحات میں یہ اصول کبھی شامل ہی نظر نہ آئے۔ عربی زبان کو اسلامی طرز زندگی کو اپنانے کے لئے حکمت عملی کے اصول میں رکھا گیا ، دوسری طرف ہمیشہ سے مسئلہ بنی خود اپنی قومی زبان اردو کو وہ جائز مقام عدالتی فیصلے کے باوجود نہیں دیا جارہا، کہ ہماری نسلیں اپنی زبان کو فخریہ اپنا سکیں۔ اپنے دین سے دوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم بچوں کو انکی مادری زبان میں بنیادی تعلیم فراہم نہ کرکے دینی تعلیم کو اس طرح پیش ہی نہیں کر پا رہے کہ وہ آسانی سے عقائد سے روشناس ہوسکیں۔ اس طرح کنفیوژن پھیلائی گئ ہے کہ تعلیم وہ نتائج نہیں دے رہی جو ضرورت کو پورا کریں۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ آج غیر اسلامی رنگ ڈھنگ اتنا عام ہوتا جارہا ہے، اور بہت سے ایسے کام جو دین کا حصہ ہی نہیں، لیکن دین سمجھ کر کیا جارہا ، اسکے لئے صرف خاندان ہی نہیں بلکہ حکومت کو بھی اپنا حصہ ڈالنا ہوگا آئین کی تمام اسلامی شقوں کو لازمی بناکر اب عملی طور پہ اس کے لئے کام کرنا ہوگا، ورنہ نتائج بڑے بھیانک ہو سکتے ہیں۔ حکمت عملی کے اصول اسلامی طرز زندگی کو بنیادی حقوق کی حیثیت میں آئین کا حصہ بنایا جائے۔ تاکہ حکومت کی ترجیحات اسلامی طرز زندگی کی طرف آئے بصورت دیگر حکومت کے خلاف عدالت سے رجوع کیا جاسکے۔